

سوال کا جواب بھی سوال میں ملا مجھے!

کرستاروڈنی گوز (Krysta Rodrigue) امریکی اداکارہ اور گائیک ہے۔ حد رجہ کامیاب خاتون۔ بچپن ہی سے اداکاری کا جمنون تھا۔ شوق 2005 میں اسے نیویارک لے آیا جہاں بروڈوے پر کرٹائنے مختلف ڈراموں میں اداکاری کرنی شروع کر دی۔ قسمت اور دولت کی دیوی اس پر حد رجہ مہربان رہی۔ ٹی وی ڈرامے فلمیں اس کے سامنے مختصر ہوتے چلے گئے۔ 2014 تک کرٹائنے کے پاس سب کچھ تھا۔ یورے بلز کے علاقے میں مہنگاترین گھر ذاتی ہوائی جہاز ملازمین کی پوری فوج مہنگی ترین گاڑیاں اور حد رجہ زیادہ دولت۔ پوری زندگی کوئی تکلیف دیکھی ہی نہیں تھی۔ 2014 میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے کرٹائنے کی زندگی بدل ڈالی۔ سینے میں تکلیف رہنی شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر کے پاس گئی تو معلوم ہوا کہ کینسر کی مریض ہے۔ کینسر کا الفاظ انسان کے لیے کتنا سوہان روح ہو سکتا ہے۔ پہلی مرتبہ اسے معلوم ہوا۔ یہاری نے کرٹائنے کو مکمل تبدیل کر دیا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اسے بہتر انسان بنادیا۔ کیمودھرپی کی بدولت سر کے سارے بال گر گئے۔ جسمانی طور پر لاغر سے لاغر ہوتی گئی۔ پر رہنی طور پر مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ اس نے اپنی ساری تکالیف اور مصائب کو اکٹھا کیا۔ اور ایک ویب سائٹ ترتیب دی۔ جس کا نام Chemocouture تھا۔ کرٹائنے اپنے تمام جذبات اس سائٹ پر لکھنے شروع کر دیے۔

کرٹائنے آٹھا یہ سوالات لکھے جو کسی بھی کینسر کے مریض سے نہیں پوچھنے چاہیں۔ پہلا تھا کہ آپ کا مرض تھوڑا سا پہلے پہنچ چل گیا؟ کرٹائنے کھٹکتی ہے کہ کسی بھی تکلیف کی تشخیص کا کوئی جلدی پادری والا وقت نہیں ہوتا۔ یہ جب بھی انسان پر آتی ہے تو وہی وقت قیامت کا ہوتا ہے۔ دوسرا سوال جو نہیں پوچھنا چاہیے کہ کیا آپ خوف زد ہو؟ کھٹکتی ہے کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ بلکہ یہ کیسا عجیب سماں ہے۔ لازم ہے کہ کینسر یا کسی بھی مصیبت سے انسان خوف زدہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر کسی بھی انسان سے یہ پوچھنا غیر معقول امر ہے۔

تیسرا سوال یہ کہ جب لوگوں کو آپ کی تکلیف کا پہنچا چلتا ہے تو ہر انسان ہر مشورہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ لوگ جو کمل طور پر جاہل یا حد رجہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ مشورہ دینے میں بالکل تاخیر نہیں کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ انھیں مسئلہ کے متعلق بہت اچھی معلومات نہیں ہوتیں۔ چوتھا سوال جو اکثر لوگ بر ملا کرتے ہیں کہ آپ کو یہ مرض کیسے ہوا؟ کرٹائنے کھٹکتی ہے کہ زندگی میں سب کچھ آپ کے منصوبے کے مطابق نہیں ہوتا۔ حادثات کا کوئی متعین وقت نہیں ہے۔ یہ کسی بھی وقت کسی کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔

ایک سوال جو کبھی نہیں پوچھنا چاہیے کہ یہ مرض تو آپ کے لیے حد رجہ تکلیف کا باعث ہو گا؟ کرٹائنے ہے کہ تکلیف دراصل انسان کو حد رجہ مضبوط کر دیتی ہے۔ انسان اگر اپنے اعصاب پر قابو رکھے تو حد رجہ ضعف میں بھی چینے کا ہرجان لیتا ہے۔ ہاں آخری بات تکلیف کو آپ کو مختصر نہیں کرنا چاہیے؟ ہر ایک کوہتا نا بھی نہیں چاہیے کہ آپ شدید غم میں ہیں۔ اگلے دو سوالات چھوڑ دیتا ہوں۔

کرٹائنے کیسے ایک برس لڑتی رہی اور دوبارہ شوبز میں آگئی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ کامیاب ہوئی۔ کیونکہ لوگ اس کی بہادری جرات اور داشمندی سے ممتاز تھے۔ کرٹائنے آج بھی انتہائی خوبصورتی سے زندگی گزار رہی ہے۔ شاید ہن میں سوال ہو کہ کرٹائنے کے سوالات کا آپ کی زندگی سے کیا تعلق ہے۔ مگر گھرائی سے دیکھیے تو یہ سوالات ہر انسان سماج اور معاشرے کے متعلق بالکل درست ہیں۔ دنیا میں کون سا ایسا انسان ہے جس نے کبھی کوئی تکلیف نہ دیکھی ہو۔ کون سا ایسا مالک ہے جس میں شہریوں کی تمام مشکلات حل ہو چکی ہوں۔ کون سا ایسا سماج ہے جہاں نہ ہمواری نہ ہو۔

دنیا کے ان گنت ممالک میں جانے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ انسانی مسائل کے لحاظ سے تقریباً تمام مالک ایک جیسے ہیں۔ ہاں نوعیت کا فرق ضرور ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ دراصل دنیا کا کوئی نظام یا انسان یا معاشرہ ہر طریقے سے مکمل نہیں ہے۔ کوئی نہ کوئی کمی رہ رہی جاتی ہے۔ اور یہ کبھی مکمل نہیں ہو سکتی۔ سماجی سیاسی معاشرتی اعتبار سے ہر خطہ انوکھا ہے اور ہر قوم مختلف بلکہ منفرد۔ ہاں ایک بات ضرور ہے، میں رکھنی چاہیے۔ ترقی یافتہ ممالک انسانوں کو ہر طور پر ترجیح دیتے ہیں۔

جنگوں بے اعتدالیوں اور عذابوں سے انھوں نے سیکھ لیا ہے کہ کسی بھی ملک کا اصل کام اپنے شہریوں کی فلاج ہے۔ اس لیے ترقی یافتہ ممالک ایسا نظام بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں جو عام شہری کی بہتری کے لیے مرتب ہوا ہے۔ آسانیاں پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ ایک اہم بات جھوٹ اور تجھ کے فرق کو ملاحظہ خاطر رکھا گیا ہے۔ زندگی میں ممکنہ حد تک حقیقت پسندی کو عیاں رکھا جاتا ہے۔ کوئی تقابی جائز نہیں کر رہا۔ مگر یہ کہنے اور ماننے میں کوئی حرج نہیں کہ ترقی یافتہ ممالک اپنی غلطیوں سے سیکھ کر بہتر سے بہتر ہونے کے سفر پر رواں دواں ہیں۔

یہاں یاد رکھیے کہ وہاں کسی کی ذاتی زندگی کے متعلق سوال و جواب کا کوئی معاملہ ہی نہیں ہے۔ فکری آزادی کی داعنی بیل رکھی ہے اور آہستہ آہستہ وہ معاشرے انسان دوست بن چکے ہیں۔ یہی وہ فرق ہے جس کی وجہ سے ترقی پذیر ممالک کی اکثریت مغربی ممالک میں جانے کے لیے سر دھڑکی بازی لگادیتے ہیں۔ اس کوشش میں موت بھی آجائے تو پرواہ نہیں کرتے۔ یہ عمل ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے جیسے ممالک میں کوئی نہ کوئی ایسی کمی ہے جس سے خلق خدا تگ ہے اور بہتر چڑا گا ہوں کی طرف بھرت کرنا چاہتی ہے۔

پر کیا یہاں یہ سوال پوچھنا جائز نہیں کہ ہمارے جیسے ملک سماجی سیاسی معاشرتی اور اقتصادی گرداب سے کیوں نہیں نکل پائے۔ کیا وجہ ہے کہ دنیا میں اکثر قومیں ترقی کی طرف گامز نہیں اور ہم لوگ روز بروز تیزی کی جانب دوڑ رہے ہیں۔ آخر کوئی تو سوال کرنا چاہیے اور کسی کو تو جواب دینا چاہیے۔

پر کیا ہم درست سوال کر سکتے ہیں یا اس طرح کہہ لیجیے کہ کیا ہم سوال کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ اور کیا ہمیں سوال کرنے چاہیے؟

یہ وہ مشکل ترین امر ہے جس پر ذہن پر جو جذباتی ہے۔ سوال ہے کہ کیا ہم اپنے معاشرے میں خوف کے تحت زندگی نہیں گزار رہے۔ بالکل گزار رہے ہیں۔ امیر کو اپنی دولت کے چھنے کا خوف ہے۔ اور غریب کو یہ ڈر کہ اگلے دن روٹی ملے گی بھی کہ نہیں۔ اس معاشرے میں ہر کوئی خوف زدہ ہے۔ آپ کو امیر اور ہم لوگ حفاظتی حصاروں میں نظر آتے ہیں۔ ان گنت گن میں ان کے ارد گرد ہوتے ہیں۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اہم نظر آنے والے افراد حد رجہ بے لیقی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

یہ عوام سے بھی اور اپنے آپ سے بھی گھبرائے ہوئے لوگ ہیں۔ انھیں تو یہ بھی ڈر ہے کہ گن میں کے بغیر کوئی انھیں نقصان نہ پہنچا ڈالے۔ مگر نقصان تو بہر حال پہنچ کر رہتا ہے۔ مگر کیا آپ ان سے سوال کر سکتے ہیں کہ بالآخر آپ کو کس چیز کا خوف ہے۔ یہ ہر وقت اپنے آپ کو بلکہ ہر ایک کو دھوکا دیتے ہیں۔ پر اعتماد نظر آنے کے لیے ہر کام کرتے ہیں۔ مگر خوف ان کے چہرے پر بڑے آرام سے پڑھا جاسکتا ہے۔ کتنے حفاظتی اقدامات میں رہتے ہیں۔ عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

چالیس چالیس فٹ اونچی گھروں کی بم پروف دیواریں سیکڑوں کی تعداد میں محافظ صرف یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ اپنے ڈر سے گھبرائے ہوئے لوگ ہیں۔ طاقت اور دولت ان کے لیے عذاب بنا دی گئی ہے۔ خدا نے ان کو اس عذاب میں بہتلا کیا ہے جس کا یہ ذکر بھی نہیں کر سکتے۔ سرکار کے پیسے سے بنی ہوئی فضیلیں اور دیواریں الیکٹرانک دروازے اور اسلخ کی نمائش۔ اس کا مطلب سادہ سا ہے۔ خوش قسمت نظر آنے والے یہ لوگ بھی اندر ہونی خوف سے لرزے ہوئے ہیں۔ ان کے چھروں پر اعتماد اور خوشی کی لکیر تک نہیں ہے۔ پر یہ بھی بتائیں گے نہیں کہ یہ لئے ہوئے بھر ہے۔ آپ اپنی زندگی اور مصائب کے باہمی تعلق کو دیکھیے۔ اس کا کوئی وقت متعین نہیں ہے۔

کرٹائنے جو سوالات اٹھائے تھے۔ کیا اس طرح یا ان سے مسلک سوالات ہم کرنے کی استطاعت یا اجازت رکھتے ہیں۔ کیا ہم اپنے حکمرانوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ وہ سیاسی طور پر مذہب کو کیوں استعمال کرتے ہیں۔ شاید اس طرح کی کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔ ہمارا پورا سماج شدید ناہمواری بے سکونی اور عذاب میں بہتائے ہیں۔ یہاں ہر شخص اپنے اپنے مصائب کی آگ میں جل رہا ہے۔ مگر پھر بھی ملک معاشرے یا اپنے آپ کو ٹھیک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کرٹائنے جو باتیں لکھتی رہی۔ وہ مہذب معاشروں کا خاصہ ہے۔ یہاں تو ہر سوال کا جواب بھی کیا دراصل ایک سوال ہی ہے؟